کیا اسلام کا نظامِ وراثت غیر عادلانہ ہے؟

ڈاکٹر صہیب حسن ○

اسلام پر جہاں بے شمار اعتراضات کیے جاتے ہیں، وہاں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ: ''اسلام کے احکامِ وراثت میں انصاف کے تقاضے ملحوظِ خاطر نہیں رکھے گئے ہیں، اور یہ کہ عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا رکھا گیا ہے''۔ درحقیقت اسلامی نظامِ وراثت میں، وارثین کے حصوں کے درمیان فرق کی وجہ مرد و عورت کا اختلاف نہیں ہے بلکہ تین بنیادی عوامل ہیں:

- پہلا یہ کہ میّت اور وارث کے درمیان درجۂ قرابت۔ جتنا وہ میّت کے قریب ہوگا اُس کا حصہ زیادہ ہوگا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اس اعتبار سے بیٹی کو ماں سے زیادہ حصہ ملتا ہے بلکہ باپ سے بھی، اور اسی طرح بیٹا باپ سے زیادہ ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔
- دوسرا یہ کہ آنے والی نسل کا حصہ بمقابلہ جانے والی نسل کے زیادہ ہے۔ یہ ایک مبنی برانصاف اور منطقی بات ہے کہ جس نسل نے ابھی ساری زندگی کا بوجھ اُٹھانا ہے، اُس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے اور جو نسل اپنی زندگی کے اختتام پر ہے، اُسے کم حصہ ملنا چاہیے۔
- تیسرا یہ کہ وارثوں کے حصوں میں کمی بیشی اُن کی مالی ذمے داریوں کی بنا پر ہے، یعنی جس کی جتنی ذمہ داری زیادہ ہوگی، اُس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نظام اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے، جو ہر مرد و عورت کا خالق ہے، جو ہماری ضروریات کو ہم سے زیادہ بہتر جانتا ہے، جس کا ایک ایک حکم عدل وانصاف کے اُوپر قائم ہے۔ کسی بات کی حکمت ہماری سمجھ میں نہ آنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بات حکمت سے خالی ہے۔

○ سیکرٹری، اسلامی شریعہ کونسل، لندن (برطانیہ)

ورثا کے حصوں کا تناسب

وارثین کے حصص کے تناسب کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

● یہ کہ جس میں عورت کو مرد سے کم ملتا ہے۔ ● یہ کہ جس میں مرد اور عورت کا حصہ برابر ہے۔ ● یہ کہ جس میں عورت کو مرد سے زیادہ ملتا ہے۔ ● یہ کہ جس میں عورت کو تو کچھ ملتا ہے لیکن رُتبے میں اس کے برابر مرد کو کچھ نہیں ملتا۔

اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام سورۂ نساء کی ان تین آیات میں بیان فرمائے ہیں:

● یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ ق لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ج فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ج وَ اِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَیْہِ لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَکَ اِنْ کَانَ لَہٗ وَلَدٌ ج فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَہٗٓ اَبَوٰہُ فَلِاُمِّہِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ فَلِاُمِّہِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ یُّوْصِیْ بِھَآ اَوْدَیْنٍ ط اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا ط فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ○ (النساء ۴:۱۱) اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انھیں مالِ متروکہ کا دو تہائی ملے گا۔ اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اُس کے لیے آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اُس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے۔ اگر اس میت کی اولاد ہو، اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، ہاں اگر میّت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے اس وصیّت کی تکمیل کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد۔ تمھارے باپ ہوں یا تمھارے بیٹے تمھیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمھیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے۔ یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے، حکمت والا ہے۔

● وَ لَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَکَ اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ج فَاِنْ کَانَ لَھُنَّ

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَ لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ ۭ وَ اِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْدَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ (النساء ۴:۱۲) تمھاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو تمھارا حصہ آدھا ہے اور اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے مال میں سے تمھارے لیے چوتھائی حصہ ہے، اس وصیت کی ادایگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کی ادایگی کے بعد۔ اور جو ترکہ تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمھاری اولاد نہ ہو، اور اگر تمھاری اولاد ہو تو پھر انھیں تمھارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا، اس وصیّت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادایگی کے بعد۔ اور جن کی میراث لی جاتی ہو، وہ مرد ہو یا عورت، کلالہ ہو (یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو) اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک ہوں، اس وصیّت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے، بُردبار ہے۔

● يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَ اِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (النساء ۴:۱۷۶) آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ خود تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے مال متروکہ کا آدھا حصہ ہے۔ اور وہ بھائی اس بہن کا

وارث ہوگا اگر اس کے اولاد نہ ہو، پس اگر بہنیں دو ہوں تو انھیں کُل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا اور اگر وہ سب کئی بھائی بہن ہوں تو مرد کے لیے عورت کے مقابلے میں دوگنا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کھول کھول کر واضح کر رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم بہک جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید کی ان آیات کے علاوہ احادیث میں بھی وراثت کے احکام بیان ہوئے ہیں، جیسے:

- ماں کی عدم موجودگی میں دادی یا نانی کو چھٹا حصہ ملے گا۔
- اگر ایک بیٹی کے ساتھ ایک پوتی بھی ہو تو اُسے بھی چھٹا حصہ ملے گا۔
- آیت ۱۲ میں جس 'کلالہ' کا ذکر ہے، اُس سے اخیافی (یعنی ماں کی طرف سے) بہن بھائی مراد ہیں اور آیت ۱۷۶ میں کلالہ سے مراد حقیقی یا علّاتی (جن کا باپ ایک ہو) بہن بھائی مراد ہیں۔
- بیٹی یا بہن اگر ایک ہو تو اس کا حصہ نصف ہے، لیکن اگر بیٹے یا بھائی بھی ہوں، تو پھر (فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ: مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے) کا قانون لاگو ہوتا ہے۔
- 'عَصَبہ' ہونے کی صورت میں ذوی الفروض[1] کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو بچے وہ اُسے ملتا ہے۔
- 'ذوی الفروض' کو اُن کا حصہ دینے کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو پھر اولوالارحام کو دیا جائے گا اور اس میں پہلے اُس مرد کو ترجیح دی جائے گی جو قرابت میں زیادہ قریب ہو۔
- وارث اگر مورث کا قاتل ہو تو اُسے وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔
- غیر وارث کے لیے صرف ایک تہائی مال میں وصیت کی جاسکتی ہے۔
- اگر میت کے وہ رشتہ دار نہ ہوں جو بحیثیت فرض یا عصبہ اپنے حصے کے حق دار ہوتے ہیں تو پھر ذوی الارحام[2] وارث ہوں گے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

---

۱ وہ رشتہ دار جن کے حصے شریعت میں مقرر کر دیے گئے ہیں اور جن کے متعلق قرآنِ مجید یا سنتِ رسولؐ یا اجماعِ اُمت میں واضح احکام موجود ہیں۔

۲ 'ذوی الارحام' میت کے وہ تمام ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں، جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں اور میت سے ان کا رشتہ کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورت ہوں جیسے نانا، نواسہ، نواسی، ماموں، خالہ، پھوپھی وغیرہ۔

- بموجب فرمانِ نبویؐ: اَلحِقُوا الفرائِضَ بِاَھلِھَا فَمَا بَقِیَ فلِاَوْلٰی رَجُلٍ ذَکَر (بخاری، مسلم) 'اصحاب فرض' کے حصے ادا کرنے کے بعد جو باقی بچ جائے، اُسے قریب ترین مرد کو دے دو۔ جیسے ایک میت کا ماں، باپ، بیٹا چھوڑ کر انتقال ہوا ہے، تو پہلے ماں باپ کو اُن کا حصہ، یعنی مال کا چھٹا حصہ ماں کو اور اتنا ہی باپ کو دیا جائے گا اور اس کے بعد باقی مال بیٹے کو دیا جائے گا کہ وہی قریب ترین وارث ہے۔

یہاں ایک بات اور واضح ہوئی کہ جن وارثین کا حصہ مقرر کیا گیا ہے، یعنی 'اصحاب الفروض' ان میں اکثر عورتیں ہیں، جیسے: ماں، بیٹی، بہن، نانی، دادی، بیوی۔ مردوں میں صرف باپ یا دادا، اور شوہر ہیں، ان کا حصہ مقرر کر دیا گیا ہے، جو کسی صورت میں ساقط نہیں ہوسکتا۔ گویا اُن کے ضُعف کو دیکھتے ہوئے اُن کے حصے اتنے مضبوط ہیں کہ ان میں کمی تو ہوسکتی ہے، لیکن انھیں بالکل محروم نہیں کیا جاسکتا۔ برخلاف عَصَبات کے (جن میں بیٹے سرفہرست ہیں) تو وہ باقی مال کے وارث ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ خود 'عَصَبہ بالنفس' ہیں، اور اگر بیٹے کے ساتھ بیٹیاں اور بھائی کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو وہ 'عَصَبہ بالغیر'[1] ہوکر ان کے ساتھ ترکہ میں شریک ہوجاتی ہیں، اور اگر عورت کے ساتھ دوسری عورت اس طرح حصہ دار ہو کہ اُسے دو تہائی میں سے پہلی عورت کا حصہ دینے کے بعد باقی مل جائے تو اُسے 'عَصَبہ مع الغیر'[2] کہا گیا۔ جیسے ایک بیٹی (جس کا حصہ نصف ہے) اُس کے ساتھ پوتی کو ملایا جائے (یعنی چھٹا حصہ دیا جائے) اور ایسے ہی ایک بیٹی کے ساتھ حقیقی یا علّاتی بہن کو اسی اصول کے مطابق حصہ دیا جائے۔

- اخیافی بہن بھائیوں کے لیے خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ اگر میت کی ماں اور سگے بھائی ہوں تو اس کا حصہ ایک تہائی سے کم ہوکر چھٹا رہ جاتا ہے، لیکن سگے بھائیوں کو خود کچھ نہیں ملتا (امام ابن تیمیہؒ کے نزدیک وہ باقی مال کے وارث ہوں گے)۔ لیکن اگر میت کے

---

۱ 'عَصَبہ بالغیر' وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتی ہیں یعنی: بیٹی، پوتی، سگی بہن اور علاتی یا سوتیلی بہن۔

۲ ان سگی اور سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں اور پوتیوں کے ساتھ مل کر مطابق حدیث اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ (بہنوں کو بیٹیوں پوتیوں کے ساتھ عصبہ شمار کرو)۔

اخیافی بھائی بہن ہوں تو انھیں ہرصورت ایک تہائی ملے گا، یعنی ان کا رشتہ میت کی ماں کی طرف سے تھا اور اس رشتے کا اتنا خیال رکھا گیا کہ انھیں محروم نہیں رکھا گیا۔

اب ان چار صورتوں کا تفصیلی ذکر کیا جاتا جن کی طرف ابتدا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

عورت کا نصف حصہ

- پہلی صورت: جہاں عورت کو مرد سے آدھا ملتا ہے اور یہ چار حالات میں ہوتا ہے:

۱- میت کے بیٹے اور بیٹیاں ہوں تو ایک بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دوگنا حصہ ملے گا۔

یہاں اس بات کی رعایت رکھی گئی ہے کہ جس شخص پر مالی بوجھ زیادہ ہے، اُس کا حصہ زیادہ ہو، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہاں بھی بیٹی ہی نفع میں رہتی ہے۔ ہم اس بات کو مندرجہ ذیل مثال سے واضح کرتے ہیں:

ایک میت نے اپنے ترکے میں ۳۰ ہزار روپے چھوڑے اور اس کا وارث صرف ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔ وراثت کے مذکورہ قاعدے کے مطابق بیٹی کو ۱۰ ہزار اور بیٹے کو ۲۰ ہزار روپے ملیں گے۔ اب فرض کریں کہ دونوں شادی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ بیٹی کا مہر ۱۰ ہزار روپے رکھا گیا ہے، یعنی شادی کے بعد وہ وراثت کی رقم اور اپنے مہر کو ملا کر ۲۰ ہزار روپے کی مالک ہوگی۔ بیٹے نے شادی کے بعد اپنی بیوی کو مہر ادا کرنا ہے جس کی مالیت ۱۰ ہزار ہے، یعنی وراثت میں اُسے جو ۲۰ ہزار ملے تھے۔ اس میں سے ۱۰ ہزار دینے کے بعد اُس کے پاس صرف ۱۰ ہزار بچیں گے۔ اب بتایئے کہ کون نفع میں رہا؟ بیٹی کو جس کے پاس ۲۰ ہزار ہیں یا بیٹا، جس کے پاس صرف ۱۰ ہزار رہ گئے ہیں۔

۲- اسی مثال کا اطلاق حقیقی یا علاتی بھائی بہنوں پر بھی کیا جاسکتا ہے جنھیں کلالہ کی صورت میں مذکورہ اصول کے مطابق وراثت ملتی ہے۔

۳- میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی ماندہ مال، یعنی دوتہائی باپ کو ملے گا۔ ملاحظہ فرمائیں کہ ماں کو جو حصہ ملا ہے وہ خالصتاً اس کا ہے، لیکن باپ کو اگرچہ زائد رقم ملی ہے، وہ ماں کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہے، یعنی وہ اس مال میں سے بالآخر اپنی بیوی (یعنی میت کی ماں) کے اُوپر خرچ کرتا رہے گا۔

۴- میاں اور بیوی کے حصوں میں بھی نصف کی نسبت پائی جاتی ہے، یعنی اگر شوہر فوت

ہوتو بیوی کو بصورت وجود اولاد، آٹھواں حصہ اور اگر اولاد نہ ہوتو چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور اگر بیوی فوت ہوتو شوہر کو بصورتِ اولاد چوتھائی اور اگر اولاد نہ ہوتو نصف حصہ ملے گا۔

پہلے تو اس بات کو ملاحظہ فرمائیں کہ بصورت موجودگی اولاد بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے، یعنی باقی ماندہ مال اولاد کے درمیان تقسیم ہوجاتا ہے۔ بیوی (جو اپنے بچوں کی ماں ہے) یقینا بچوں کے لیے قابلِ احترام ہوگی۔ اگر بچے ناخلف نہیں ہیں تو وہ ضرور اپنی ماں کا خیال رکھیں گے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ باپ ایک گھر چھوڑ جاتا ہے، جہاں ماں اور بچے مل کر رہ رہے ہیں۔ ماں جب تک زندہ ہے بچے اُس سے اپنے حصوں کا مطالبہ نہیں کرتے اور وہ کسی مالی پریشانی کا شکار نہیں ہوتی ہے۔ فرض کیجیے کہ وہ ابھی جوان ہے اور شادی کرسکتی ہے تو اُسے مہر کی شکل میں اپنے دوسرے خاوند سے اتنی رقم مل سکتی ہے جو ترکے میں ملی ہوئی کم رقم کی تلافی کرسکتی ہے۔

اب ملاحظہ ہو: ایک عورت انتقال کرجاتی ہے، بصورت موجودگی اولاد، شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا، وہ خود چوں کہ کمانے والا ہے تو اُسے اپنے بچوں سے کسی معاونت کی توقع نہیں ہے۔ اگر وہ دوسری شادی کرلیتا ہے تو گویا جو رقم اُسے ترکے میں ملی تھی، اُس میں کمی واقعہ ہوجائے گی۔ ہم نے دیکھا کہ وہ عورت جسے آٹھواں حصہ ملا تھا، وہ نہ صرف اپنے بچوں سے مالی مدد حاصل کرتی رہے گی بلکہ دوسری شادی کی صورت میں مہر کی رقم پاکر زیادہ رقم کی مالک ہوگی اور اس کے برعکس شوہر جسے چوتھائی حصہ ملا تھا، دوسری شادی کی صورت میں مہر کی ادایگی کی بنا پر اپنے مال میں کمی کا شکار ہوگا۔

اس مثال میں بھی مرد و عورت کا حصہ بالآخر برابری کی سطح پر آجاتا ہے۔

مرداورعورتکابرابرحصہ

● دوسری صورت: جہاں مرد و عورت کا حصہ برابر ہے اور اس کی متعدد مثالیں ہیں:

۱- میت کی اگر اولاد ہوتو ماں باپ دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا، یعنی دونوں کا حصہ یکساں ہوگا۔

۲- وہ کلالہ، جس کے صرف ماں کی طرف سے بھائی بہن ہوں تو اُن کا حصہ یکساں ہے، یعنی اگر ایک بھائی ہے تو اُسے بھی چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک بہن ہے تو اُسے بھی چھٹا حصہ ملے گا، لیکن اگر بہن بھائی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

۳- میت کا شوہر اور سگا بھائی ہوتو شوہر کو آدھا بحیثیت فرض حصہ اور بھائی کو باقی آدھا

حصہ بطورِ عَصَبہ ملے گا۔ اس مثال میں اگر بھائی کی جگہ سگی بہن ہوتی تو اُسے بھی آدھا حصہ بحیثیت فرض حصہ ملتا۔

۴- میت کا شوہر، ایک بیٹی اور ایک سگا بھائی ہو تو شوہر کو رَبع (یعنی چار حصوں میں سے ایک)۔ بیٹی کو آدھا (یعنی دو حصے) اور سگے بھائی کو بطور عَصَبہ باقی (یعنی ایک حصہ) ملے گا۔ اس مثال میں اگر بھائی کی جگہ سگی بہن ہوتی تو اُسے بیٹی کے ساتھ عَصَبہ مع الغیر کی حیثیت سے باقی (یعنی ایک حصہ) ملتا۔

۵-صحابہ کے مابین مندرجہ ذیل مسالہ،مشترکہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ میت کے وارثین میں شوہر، ماں، دو اخیافی بھائی اور ایک سگا بھائی تھا۔ اس ترکے کی تقسیم یوں ہونی چاہیے تھی۔ کُل حصص: ۶۔شوہر: ۳ (آدھا حصہ)، ماں: ایک (چھٹا حصہ)، دو اخیافی بھائی: ۲ (تہائی حصہ)۔ سگا بھائی: عَصَبہ کے اعتبار سے باقی ماندہ حصہ جو صفر تھا۔

اس تقسیم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا خیال رکھا گیا تھا کہ پہلے اصحاب فروض کے حصے ادا کردو اور پھر جو بچ جائے اس کا مستحق قریب ترین مرد رشتے دار ہے۔ اور صحابہ کرامؓ میں سے حضرات عمرؓ، زیدؓ،عثمانؓ،علیؓ، ابن مسعودؓ، اُبیؓ، ابن عباسؓ اور ابوموسیٰ کا یہی فتویٰ تھا۔ لیکن پھر میت کے سگے بھائی حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہا: ''کیا عجب ہے کہ سگے بھائیوں کو تو کچھ نہ ملے لیکن اخیافی بھائیوں کو پھر بھی ملے؟ آپ یوں فرض کرلیں کہ ہمارا باپ گدھا تھا، (یعنی اس کا اعتبار نہ کیا جائے) تو ماں کی طرف سے تو ہم سب برابر کے شریک ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اپنے فتویٰ سے رجوع کیا اور اخیافی بھائیوں کے ساتھ سگے بھائیوں کو بھی ایک تہائی مال میں شریک ٹھیرایا۔ اس میں حضرت عثمانؓ اور حضرت زیدؓ نے بھی موافقت کی۔

عورت کا مرد سے زیادہ حصہ

● تیسری صورت کہ جس میں عورت کو مرد سے زیادہ حصہ ملتا ہے:

۱- پہلی بات تو یہ ملاحظہ ہو کہ وراثت میں سب سے بڑا حصہ دو تہائی مال کا ہے جو صرف عورتوں کے لیے خاص ہے۔ میت کی اگر نرینہ اولاد نہ ہو صرف دو بیٹیاں یا دو سے زائد ہوں تو وہ دو تہائی مال میں شریک ہوں گی، اور بیٹیاں بھی نہ ہوں، پوتیاں ہوں تو وہ بیٹیوں کے قائم مقام ہو کر

دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور ایسے ہی نرینہ اولاد، یا بیٹی کے نہ ہونے کی صورت میں دو یا زائد بہنوں کو بھی دو تہائی ملے گا (بشرطیکہ بھائی بھی نہ ہو)۔

یہی صورت علّاتی بہنوں کی بھی ہے، جب کہ میت کی سرے سے کوئی اولاد نہ ہو، نہ سگے بہن بھائی ہوں، نہ اس کا اپنا کوئی علّاتی بھائی ہی ہو۔

۲- اس کے بعد سب سے بڑا حصہ آدھے مال کا ہے کہ جس کی مستحق چار عورتیں ہیں اور صرف ایک مرد ● بیٹی، صرف ایک ہو اور میت کا بیٹا نہ ہو۔ ● پوتی: صرف ایک ہو اور میت کا نہ بیٹا ہو، نہ بیٹی اور نہ پوتا۔ ● سگی بہن: صرف ایک ہو بشرطیکہ میت کی نہ کوئی اولاد ہو، نہ سگا بھائی نہ باپ نہ دادا۔ ● علّاتی بہن صرف ایک ہو، نہ اس کا اپنا علّاتی بھائی ہو، نہ سگے بہن بھائی، اور نہ میت کی اپنی اولاد ہو، نہ باپ دادا ہوں۔ ● مردوں میں سے شوہر بشرطیکہ میت کی اولاد نہ ہو۔

۳- اس کے بعد تہائی حصہ ہے، جو اولاد کے نہ ہونے کی صورت میں ماں کے لیے خاص ہے۔ اسی طرح میت کے دو یا زائد بھائی نہ ہوں تب بھی ایک تہائی ماں کا حصہ ہے۔ اور اسی طرح اخیافی بھائی بہن بھی میت کی صُلبی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ایک ثُلث کے مستحق ہوتے ہیں۔

۴- چھٹا حصہ (سُدس) پانچ عورتوں اور تین مردوں کے لیے خاص ہے:

● ماں (اگر میت کی اولاد ہو) ● دادی (ماں کی عدم موجودگی میں) ● پوتی (ایک بیٹی کے ساتھ 'سُدس' کی مستحق ہوگی) ● علّاتی بہن (سگی بہن کے ساتھ سُدس کی مستحق ہوگی)۔ ● اخیافی بہن (میت کی صُلبی اولاد نہ ہو) ● اخیافی بھائی (میت کی صُلبی اولاد نہ ہو) ● باپ (اگر میت کی اولاد ہو) ● دادا (باپ کی عدم موجودگی میں)۔

۵- چوتھائی حصہ (رُبع) شوہر (اگر میت کی اولاد ہو)۔ ● بیوی کو اولاد نہ ہونے کی صورت میں رُبع ملے گا۔

۶- آٹھواں حصہ (ثُمن) بیوی کے لیے اگر میت کی اولاد ہو۔

یہاں ملاحظہ ہو کہ خواتین کے لیے ۱۷ حالتوں میں فرض حصے رکھے گئے ہیں، جب کہ مردوں کے لیے صرف چھے حالتوں میں فرض حصے رکھے گئے ہیں اور اس بنا پر بعض دفعہ وہ مردوں سے زیادہ حصہ حاصل کر لیتی ہیں۔

یہ بات مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہوجائے گی:

۱- بعض دفعہ بیٹیوں یا بہنوں کے لیے دوتہائی حصہ زیادہ مفید رہتا ہے کہ اگر ان کی جگہ دو بیٹے یا دو بھائی ہوتیں تو وہ عَصَبہ ہونے کے اعتبار سے باقی مال کے وارث ہوتے جو دو تہائی سے کم ہوتا۔

مثال: ایک عورت کا ترکہ ۶۰/ایکڑ قطعہ اراضی ہے، اور اس کے وارثین میں شوہر، باپ، ماں اور دو بیٹیاں ہیں۔ اس مثال میں ۱۲ کے عدد سے تقسیم عمل میں لائی جائے گی:

- شوہر: رُبع، یعنی ۳ حصے ● ماں: سُدس، یعنی ۲ حصے
- دو بیٹیاں: دوتہائی، یعنی ۸ حصے ● باپ: سُدس، یعنی ۲ حصے

چوں کہ کُل حصے ۱۵ ہوئے تو 'عول'[۱] کے قاعدے کے مطابق جایداد ۱۵ سے تقسیم کی جائے گی، ایک حصہ چار ایکڑ کا بنے گا اور پھر زمین کی تقسیم ایسے ہوگی:

- شوہر: ۳ x ۴ = ۱۲/ایکڑ ● ماں: ۲ x ۴ = ۸/ایکڑ
- باپ: ۲ x ۴ = ۸/ایکڑ ● دو بیٹیاں: ۸ x ۴ = ۳۲/ایکڑ

(یعنی ہر ایک بیٹی کو ۱۶/ایکڑ ملیں گے)

اب اسی مثال میں فرض کر لیجیے کہ دو بیٹیوں کے بجائے دو بیٹے ہوتے۔ بیٹوں کا فرض حصہ نہیں ہے بلکہ عَصَبہ ہونے کے اعتبار سے اصحاب الفروض کو اُن کے حصے دیے جانے کے بعد جو بچے گا وہ انھیں ملے گا۔ گویا شوہر (رُبع)، ماں (سُدس)، باپ (سُدس) کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ انھیں ملے گا: اس طرح شوہر (۳ حصے)، ماں (۲ حصے)، باپ (۲ حصے) کے بعد باقی پانچ حصص اُن کے لیے ہوں گے۔

چونکہ حصص ۱۲ ہیں، اس لیے ایک حصہ ۵/ایکڑ کے برابر ہوگا اور پھر زمین کی تقسیم ایسے ہوگی:

- شوہر: ۳ x ۵ = ۱۵/ایکڑ ● ماں: ۲ x ۵ = ۱۰/ایکڑ
- باپ: ۲ x ۵ = ۱۰/ایکڑ ● دو بیٹے: ۵ x ۵ = ۲۵/ایکڑ

---

۱ عول مراد یہ ہے کہ اگر اصحابِ فروض کے حصے زیادہ ہوجائیں اور کُلی عدد پر تقسیم نہ ہوں تو پھر ورثا کا جو زائد حصہ بنتا ہے وہ کُلی عدد میں بڑھا کر وراثت کی تقسیم کی جاتی ہے۔ یوں ہر وارث کے حصے میں کمی واقع ہوجائے گی۔ یعنی ہر ایک کے چھے حصے بنتے تھے، اب سات حصے کیے گئے تو ہر حصے میں کمی ہوجائے گی۔

(ہر بیٹے کو ساڑھے بارہ ایکڑ ملیں گے)۔ گویا دو بہنوں کا دو تہائی فرض حصہ دو بیٹوں کے بطورِ عَصَبہ حصے سے زیادہ بنتا ہے۔

صرف عورت کا وارث ہونا

● چوتھی صورت جس میں عورت وارث ہوتی ہے لیکن اس کے برابر کا مرد وارث نہیں ہوتا۔

۱- مثال: ایک عورت ۸۴ ایکڑ قطعہ اراضی چھوڑ کر رخصت ہوئی ہے۔ اس کے وارثین میں سے شوہر، بہن اور ایک علّاتی بہن ہیں۔ یہ مسائلہ چھے کے عدد سے حل ہوگا:

● شوہر: نصف = ۳ حصے ● حقیقی بہن: نصف = ۳ حصے

● علّاتی بہن: چھٹا حصہ = ایک حصہ

یہاں 'عول' کے قاعدے کے مطابق سات حصے ہوگئے، یعنی ایک حصے کی مقدار ۱۲ ایکڑ ہوگی: ● شوہر: ۳x۱۲ = ۳۶ ایکڑ ● حقیقی بہن: ۳x۱۲ = ۳۶ ایکڑ ● علّاتی بہن: ۱۲ ایکڑ۔

اسی مثال میں اگر علّاتی بہن کی جگہ علّاتی بھائی ہوتا تو اُسے بطورِ عَصَبہ باقی مال ملتا۔ لیکن چونکہ شوہر اور حقیقی بہن کو آدھا آدھا حصہ (۴۲ ایکڑ فی کس) مل چکا ہے۔ اس لیے کچھ باقی نہیں بچا، یعنی علّاتی بھائی کو کچھ نہ ملے گا۔

دوسری مثال: ایک خاتون کا کُل ترکہ ۱۹۵ ایکڑ زمین ہے، وارثین میں شوہر، ماں، بیٹی اور پوتی شامل ہیں۔ یہ مسائلہ ۱۲ کے عدد سے حل ہوگا:

● شوہر: ایک چوتھائی = ۳ حصے ● باپ: چھٹا حصہ = ۲ حصے

● ماں: چھٹا حصہ = ۲ حصے ● بیٹی: آدھا مال = ۶ حصے

● پوتی: چھٹا حصہ (بیٹی اور پوتی کو دو تہائی دینے کے لیے) = ۲ حصے

یہاں بھی 'عول' کے قاعدے سے کُل ۱۵ حصے ہوگئے، ایک حصہ کی مقدار ۱۳ ایکڑ ہوگی، یعنی:

● شوہر: ۳x۱۳ = ۳۹ ایکڑ ● ماں: ۲x۱۳ = ۲۶ ایکڑ

● باپ: ۲x۱۳ = ۲۶ ایکڑ ● بیٹی: ۶x۱۳ = ۷۸ ایکڑ

● پوتی: ۲x۱۳ = ۲۶ ایکڑ

اب اگر اس مثال میں پوتی کی جگہ پوتا ہوتا تو وہ بطورِ عَصَبہ باقی مال کا حق دار ہوتا۔ لیکن

اُسے کچھ ملنے سے قبل ہی حصص پورے ہو چکے ہیں۔ اس کے بغیر ذوی الفروض کے ۱۳ حصص بنے، ہر ایک حصہ کی مقدار ۱۵؍۱ ایکڑ ٹھیری۔ تقسیم اس طرح عمل میں آئے گی:

● شوہر: ۳x۱۵ = ۴۵؍۱ ایکڑ　　● باپ: ۲x۱۵ = ۳۰؍۱ ایکڑ

● ماں: ۲x۱۵ = ۳۰؍۱ ایکڑ　　● بیٹی: ۶x۱۵ = ۹۰؍۱ ایکڑ

(پوتے کے لیے کچھ نہ بچا، اس لیے وہ محروم رہے گا)

۵- اگر میت کا صرف ایک ہی وارث ہو تو اُسے سارا مال مل جائے گا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، جیسے اگر بیوی وارث ہو تو ایک چوتھائی بحیثیت فرض حصہ ملے گا اور باقی اُس پر لوٹا دیا جائے گا (اصطلاح میں اسے ردّ کہا جاتا ہے)۔

۶- سگی بہن اور سگے بھائی کا اس مثال میں برابر کا حصہ ہے۔ میت کا شوہر اور سگا بھائی ہے۔ کُل دو حصے ہوں گے: ● شوہر: ایک حصہ (یعنی نصف) ● سگا بھائی: ایک حصہ (یعنی باقی مال)

اس مثال میں بھائی کی جگہ بہن ہوتی تو اُسے بھی ایک حصہ ملتا، کیونکہ اُسے نصف ملنا چاہیے اور اگر کُل مال کے دو حصے ہیں تو اس کے لیے ایک حصہ بنتا ہے جو اس کے بھائی کے حصے کے برابر ہے۔

۷- اخیافی بہن کا حصہ سگے بھائی کے برابر ہے، میت کا شوہر، ماں، ایک اخیافی بہن اور ایک سگا بھائی ہے، کُل حصص چھے ہوں گے اور اس کی تقسیم یوں ہوگی:

● شوہر: ۳ حصے (کُل ترکہ کا نصف)　　● ماں: ایک حصہ (چھٹا حصہ)

● اخیافی بہن: ایک حصہ (چھٹا حصہ)　　● سگا بھائی: ایک حصہ (یعنی باقی مال)

۸- اُن فقہا کے نزدیک جو اولوا الارحام کو اصحاب الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں وارث ٹھیراتے ہیں، مرد و عورت کا حصہ برابر ہے، یعنی نواسا اور نواسی کا حصہ برابر ہوگا اور اسی طرح خالہ اور ماموں کا حصہ برابر ہوگا۔

اُولوالارحام ان دور کے رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی عورت کے واسطے سے میت سے قرابت رکھتے ہوں جیسے نواسا، نواسی (بیٹی کے توسط سے) خالہ اور ماموں (ماں کے توسط سے)۔ بھانجا اور بھانجی (بہن کے توسط سے)۔ پھوپھی کو بھی ذوی الارحام میں بحیثیت خاتون کے شامل

رکھا گیا ہے۔ انھیں وراثت ملتی ہے یا نہیں اور اگر ملتی ہے تو کس قاعدے سے؟ اس میں فقہا یہ چار آرا رکھتے ہیں:

۱- اصحابِ فروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں حصہ پائیں گے۔ اس رائے کے حامل ہیں حضرات عمرؓ، علیؓ، ابن مسعودؓ، معاذؓ، ابوالدرداؓ۔ تابعین میں سے قاضی شریح، عمر بن عبدالعزیز، مسروق، علقمہ رحمۃ اللہ علیہم اور ائمہ میں سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم۔

۲- ذوی الارحام کے بجائے باقی مال بیت المال کے حوالے کیا جائے گا۔ اس رائے کے حامل ہیں: حضرات زیدؓ، ابن عباسؓ، امام مالکؒ، شافعیؒ اور امام اَوزاعیؒ۔

۳- وارث ہوں گے اور ان کا وہی حصہ ہوگا، جس کی جگہ انھوں نے لی ہے، یعنی نواسی کو بیٹی کی جگہ آدھا حصہ ملے گا اور بھانجے کو بہن کی جگہ باقی حصہ ملے گا۔ اس رائے کو مذہب اہل التنزیل کہا جاتا ہے، یعنی یُنَزَّلُوْنَ مَنْزِلَۃَ اُصُوْلِھِمْ (اپنی اصل کا مقام و رُتبہ دیا جائے گا)۔

۴- قرابت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ اگر میت سے قریب ہوگا تو وراثت میں حصہ پائے گا اور دُور ہوگا تو قریب کے ہوتے ہوئے حصہ نہ پائے گا، جیسے اگر میت کا ایک نواسا ہو اور ایک چچازاد بھائی تو نواسا وراثت کا حق دار ہوگا اور چچازاد محروم رہے گا۔

۵- باپ کی موجودگی میں دادی کو کچھ نہیں ملتا، لیکن نانی کو پھر بھی چھٹا حصہ ملے گا، مثال: میت کے وارثین میں باپ، نانی اور بیٹا ہیں۔ کُل چھے حصص ہوں گے: ● باپ: ایک (یعنی چھٹا حصہ) ● نانی: ایک (یعنی چھٹا حصہ) ● بیٹا: باقی (یعنی چار حصے)۔

اگر بیٹے کی جگہ دو بیٹیاں ہوتیں تو وہ چار حصص (یعنی دو تہائی) کی حق دار ٹھیرتیں۔ اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ماں کی طرف سے قرابت کو بہ نسبت باپ کے ترجیح دی گئی ہے۔

خواتین سے حُسنِ سلوک

عورتوں کے بارے میں اسلام نے جس رعایت، حُسنِ سلوک اور فراخ دلی کا حکم دیا ہے، اُس کے مختصر تذکرے پر ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں:

۱- اسلام سے قبل جاہلیت میں ایک شخص کے مرنے کے بعد اس کے تندرست اور توانا بیٹوں کو ہی وارث ٹھیرایا جاتا تھا کہ وہی جنگ و جدال میں شریک ہوتے تھے اور مالِ غنیمت جمع

کر کے لایا کرتے تھے اور ان کے مقابلے میں بچوں اور عورتوں کو ضعیف سمجھ کر وراثت سے محروم رکھتے تھے۔ اسلام نے پہلی دفعہ عورتوں کو وراثت میں ان کا حق دلایا۔

۲- اولاد کا نان و نفقہ ادا کرنا باپ کی ذمہ داری ہے، لیکن کب تک؟ اکثر فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بیٹا جب تک خود اپنے پیروں پر کھڑا نہ ہوجائے، وہ نان و نفقہ کا مستحق ہے اِلا یہ کہ وہ بیمار رہتا ہو، معذور ہو یا اُس نے طلبِ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہو۔ اس کے مقابلے میں باپ بیٹی کے نان و نفقہ کا ہمیشہ ذمہ دار رہے گا، یہاں تک کہ اس کی شادی نہیں ہوجاتی۔ اگر اُسے طلاق ہوجاتی ہے تو پھر وہ دوبارہ اپنے اولیا (باپ، بھائی، چچا وغیرہ) کی کفالت میں آجاتی ہے، اِلا یہ کہ وہ مال و دولت کے اعتبار سے خود مستغنی ہو۔

۳- بیوی کا نان و نفقہ، رہایش، کپڑے، سب شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ شوہر کے مشترکہ گھر میں رہایش پذیر ہو لیکن شوہر کے رشتے داروں کی بدسلوکی سے عاجز ہو تو اُس کا حق ہے کہ شوہر اُسے علیحدہ گھر میں رکھے۔ اور اگر اُسے نوکرانی کی ضرورت ہو اور وہ اس کا خرچ برداشت کرسکتا ہو تو اُسے ملازمہ مہیا کرنے کا پابند ہے۔ بیوی کو اگر طلاق بھی دے چکا ہو اور وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہو، تو وہ اس کے دودھ پلانے کا معاوضہ دینے کا پابند ہے۔

۴- والد اور والدہ کے ساتھ حُسنِ سلوک کا قرآن اور احادیث میں تفصیلی ذکر ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ کے مقابلے میں ماں کا حق تین گنا ہے اور اسی لیے یہ بات مستحسن ہے کہ اولاد گر ماں باپ کو کچھ دیتے رہتے ہیں تو پھر بھی ماں کو زیادہ دیا کریں۔

۵- ہم اس آیت کی تشریح پر بات کو ختم کرتے ہیں:

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (النساء ۴:۳۲) اور اس چیز کی آرزو نہ کرو کہ جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔ مردوں کے لیے ان کی اپنی کمائی میں سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے اُن کی کمائی میں سے حصہ ہے۔ اللہ سے اس کا فضل مانگو، بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''قتادہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں عورتوں اور بچوں کو وراثت میں کچھ نہ ملتا تھا۔ پھر جب وراثت کے احکام نازل ہوئے اور مرد کو عورت کے مقابلے میں دگنا دیا گیا تو عورتوں نے اس بات کی تمنّا کی کہ ان کا حصہ بھی مردوں کے برابر کیوں نہیں رکھا گیا۔ اور مردوں نے یہ کہا کہ جس طرح ہمیں میراث میں عورتوں پر فضیلت ملی ہے، اسی طرح آخرت میں بھی ہمیں اپنی نیکیوں کی بنا پر، عورتوں پر فضیلت حاصل رہے تو یہ آیت نازل ہوئی''۔

اللہ تعالیٰ نے ایسی آرزو سے منع فرمایا کہ اس میں حسد کا جذبہ پایا جاتا ہے، اور اسی لحاظ سے اس نے بعض باتوں میں، مرد اور عورت کے درمیان فرق روا رکھا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ دنیا میں صلاحیتوں اور جدوجہد کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں میں فرق ہے اور اسی فرق کا لحاظ رکھتے ہوئے مال و متاع میں بھی تفاوت نظر آتا ہے لیکن نیکیوں کا میدان سب کے لیے کھلا ہے اور آخرت میں اصل معیار ایمان اور نیک اعمال ہی کا ہوگا۔ چاہے مرد ہو یا عورت، اپنے اعمال کی بنا پر ہی جنت کے مدارج حاصل کرسکیں گے۔ وباللہ التوفیق!

نوٹ:

- اس مضمون کا بیش تر مواد ڈاکٹر صلاح الدین سلطان کی کتاب اِمْتِیَازُ الْمَرْأَةِ عَلَى الرَّجُلِ فِی الْمِیْرَاثِ وَ النَّفَقَہِ (طبع، امریکا) کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مصر کے جابر حکمران کی مسلط کردہ اسیری سے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو نجات عطا فرمائے۔ اور بعض نکات کی تشریح کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے: ● رفیق یونس مصری کی عِلمُ الْفَرَائِضِ وَ الْمَوَارِیْث (دمشق) ● ڈاکٹر عبدالکریم بن محمد اللاحم کی تَیْسِیْرُ فِقْہِ الْمَوَارِیْثِ (طبع دارالنجاح، ریاض) ● محمد علی الصابونی کی لْمَوَارِیْثُ فِی الشَّرِیْعَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ عَلٰی ضُوْءِ الْکِتٰبِ وَالسُّنَّۃِ (مکہ مکرمہ)